ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب
پنجاب یونیورسٹی لاہور

الفاظِ شریعت کا مطلب کیا

سیاسی
لادینی تعصبات
اور
غلط فہمی
پر
مبنی
خدشات
کا
ازالہ

یہ کراچی ہے! میں ایک بہت بڑے بنک کی عالی شان (بلکہ واقعی سر بفلک) عمارت کے سامنے کھڑا ہوں۔ دو شخص میرے قریب ہی کھڑے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں۔ الف کہتا ہے: کتنی شاندار عمارت ہے دوست۔ ب جواب دیتا ہے: لیکن کب تک؟ یہ سب کچھ تو اب برباد ہوا چاہتا ہے۔

الف: یہ کیسے؟

ب: سنتے ہیں بنک بند کر دئے جائیں گے۔ بیمے ختم ہو جائیں گے۔ اور چیک، ہنڈی وغیرہ معطّل ہو جائے گی۔ غرض سب کچھ بند، لوگ مارے مارے پھریں گے۔

الف پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر دونوں آگے چل دیتے ہیں۔ اور میں حیران ہو کر خود سے سوال کرتا ہوں، بنکوں کو یہ الٹی میٹم کس نے دیا ہے؟ اور اگر دیا بھی ہے تو اس کی کچھ وجہ بھی تو بتائی ہوگی۔

پھر معاً مجھے خیال آیا کہ یہ دور سیاسی تعصبات اور نظریاتی کش مکشوں کا ہے۔ یہ ہوائی کسی نے تو اڑائی ہوگی اور اڑانے والا دشمن ہی کیوں ہو، دوست بھی تو ایسی بہت سی مہربانیاں کر گزرتے ہیں۔

شرع کے خلاف افواہیں دراصل یہ افواہوں کا زمانہ ہے، جھوٹ کے پتنگ خوب اڑتے ہیں۔ اپنے اپنے تعصّبات کے تحت جو کچھ کسی کے منہ پر آتا ہے کہہ دیتا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ باغوں میں پھول نہ کھلیں چشموں کے پانی، جو بہاروں میں اہلے گہلے نہ پھریں، کلیاں نہ چٹکیں، دھوپ نہ چمکے، اور چاندنی کوہ و دمن میں نہ بکھرے۔ یہ سب کچھ اگر قانونِ فطرت ہے تو یہ بھی فطرتِ انسانی کی ماہیّت میں شامل ہے کہ کچھ رُکے اور کچھ پھیلے، کبھی روئے کبھی ہنسے۔ یہی ہوتا رہا اور یہی ہوتا رہے گا ؎

جہازِ زندگیٔ آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

مغالطے اور وسوسے بہر حال آج کل پاکستان میں نفاذِ شریعت کے بارے میں بڑے زور و شور سے افواہیں پھیل رہی ہیں، لیکن چونکہ اس کا پیوند سیاسی تعلقات سے ہوگیا ہے اس لئے اس مسئلے کے مشمولات میں غلط مبحث، غرض مندی، بے خبری اور غیر علمی انداز بیان خود بخود در آیا ہے۔ اور بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ صرف سیاسی ہنگامہ آرائی نہیں۔ اس میں بے خبری کا حصہ زیادہ ہے۔ یوں سیاسی صورت حال سے بھی اصل مسئلے کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ سیاسی مہم آزمائیوں میں لوگ فہم حق کی بجائے جدل و مناظرہ کی نفسیاتی کیفیت میں ہوتے ہیں، چنانچہ پہلے تو وہ طوفان جوش میں ہوش کھو کر اصل بات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں [illegible] گر سمجھ عقل و ہوش کی سطح پہ آ بھی جائیں تو ہر کوئی اپنی سیاست کے حوالے سے بات کو قبول یا مسترد کر دیتا ہے۔ پھر یہ سمجھانے والے حضرات کے اندازِ بیان پر بھی موقوف ہے کہ وہ مخاطب کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں اور اس کا طریق پیش قدمی کیا ہے۔؟

مطالبۂ شرع کا ناموزوں پیرایۂ بیان میری ناچیز رائے میں (اور اس کے لئے معذرت خواہ ہوں) آجکل نفاذِ شرع کی بات جن مختلف پیرایوں میں ہو رہی ہے، ان سے کئی مغالطے جنم لے رہے ہیں۔ جو مخالف ہے وہ تو نادان ہے، مگر جو حامی ہے وہ بھی کچھ زیادہ دانا نہیں۔ مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ شریعت نافذ کرو ــــ یا یہ کہ ہم شریعت نافذ کریں گے تو اس سے شعوریات دینی سے بے خبر لوگوں میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم اس سے قبل آج تک گویا غیر مسلموں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے اور ہمارے قبولِ اسلام کا روزِ اوّل آج ہی شروع ہوا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور شرع اسلامی پر (کم یا بیش) عمل کبھی منقطع نہیں ہوا۔ شرع پہ عمل پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہو رہا ہے۔ ہم اگر پکے مسلمان نہ ہوتے تو پاکستان کیسے بنتا ــــ۔ البتہ شرع کا ایک حصہ دورِ غلامی میں غیر مسلم حکومتوں کے تحت ساقط رہا جو حکومتی نفاذ کا طلبگار تھا۔ اس پر ہم قادر نہ تھے۔ مثلاً اسلامی عدالتوں کا قیام، فصل خصومات کا اہتمام اور عقوبات کا نفاذ جو اپنی دینی حکومت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم اب تک کاملاً بے شرع رہے ہیں اور خدانخواستہ ہم آج پہلی مرتبہ شرع میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

شرع کبھی منقطع نہیں ہوئی۔ بلاشبہ ضعف اعتقاد اور عبادات وغیرہ میں کوتاہی انفرادی سطح پر ہوتی رہی ہے۔ اور اب بھی ہو رہی ہے۔ مگر یہ انفرادی سطح کی بات ہے۔ اور نفاذِ شرع کے بعد بھی (انسان کی فطری کمزوریوں اور مزاجوں کے مختلف سانچوں کی وجہ سے) جاری رہے گی، لیکن الحمدللہ ہم سب دیرینہ مسلمان ہیں، نومسلم نہیں کہ آج ہمیں اسکی ابجد پڑھائی جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ

زندگی کی نئی تشکیل کی یہ مہم اگرچہ مسلمانوں سے متعلق ہے۔ مگر اسکی عملی تشکیل ہمہ گیر علمی استعداد عصری رجحانات اور ماحول کے گہرے علم، فطرت انسانی اور مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات کے کامل ادراک کے بغیر نہ صرف یہ کہ غیر مفید و بے اثر ہے، بلکہ اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔

یہ مہم کامل دین داری کے ساتھ ساتھ، تمدنی تجربوں اور علوم جدید و قدیم کے علم کامل کا تقاضا کرتی ہے۔ لہٰذا اسے اناڑیوں کے سپرد کر دینے میں بجز رسوائی کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ یہ کام ہجوم کے کرنے کے نہیں۔ نئی تشکیل ماہرین کا کام ہے اور علم کامل (قدیم و جدید کے ساتھ ساتھ حکمت اور شفقت کی طلبگار ہے۔

نفاذ شرع کا مطلب کیا؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس نفاذ شرع کا آجکل چرچا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے اور اسکی حد کیا ہے۔؟

میں اس غلط خیال کو رد کر چکا ہوں کہ خدانخواستہ ہم آج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور پہلے جاہلیت محض یا کفر محض میں تھے۔ بحمد اللہ ہم اپنی اپنی حد تک (اور اپنی اپنی کوتاہیوں کے باوجود) صدیوں سے پکے مسلمان ہیں لیکن اس وقت نفاذ شریعت کے مطالبے کی اس لئے ضرورت پیش آ رہی ہے کہ:

(الف) دورِ غلامی میں، ہمارے بعض معاشرتی ادارات اور معاملاتی (تجارتی، کاروباری، مالیاتی، اقتصادی اور تعزیراتی) نظامات غیر ملکی حکمرانوں نے ختم کر دیئے تھے یا ان کے متعلق مغا پیدا کر دئے گئے۔

(ب) انیسویں صدی عیسوی کے بعد سے سارے عالم اسلام خصوصاً برصغیر پاک و ہند پر سیاسی تسلط کے ساتھ ساتھ ایک اجنبی بدیشی غیر مسلمانی تہذیب اور اس کے ہم رکاب، نئے اور انوکھے افکار و نظریات اور اسالیب حیات کا غلبہ ہوتا چلا گیا ـــــ اس کے ہمراہ نئے غیر ملکی معاشرتی نظامات، تجارتی، اقتصادی اور مالیاتی ادارات (مغربی سرمایہ داری اور لادین مادہ پرستانہ تصور حیات سے ابھرے اور ہمارے سارے نظام زندگی پر اس طرح چھا گئے کہ اب یہ غیر ملکی (بلکہ غیر اسلامی) نظامات ہمیں اپنے ہی نظامات معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمارے ادارات و نظامات کے اخلاقی اصولوں اور غایتوں سے بالکل مختلف ہیں۔

(ج) مغرب میں تحقیق و اکتشاف کی وسعت و فروغ سے ایسے ایسے نظریات ظہور میں آ گئے ہیں اور ایسے ایسے تمدنی تجربے ہوئے ہیں۔ کہ ان میں سے بعض اگر انسانوں کے حق میں بعض اچھے ہیں

تو بہت سے بُرے بھی ہیں، زندگی کسی جدید تنظیم میں ان تجربات و نظریات کو دیکھنا اور سمجھنا اس لئے بھی ضروری ہے۔ کہ اس وقت سارا عالم ان میں جکڑا ہوا ہے۔ اور اس لئے بھی لازم ہے کہ ان میں سے بعض ہمارے لئے بے ضرر بلکہ مفید ہیں۔ لیکن سمجھے بغیر ہم یہ بھی نہ بتا سکیں گے کہ بُرے کون سے ہیں۔ تسلیم کیا جائے گا کہ دنیا میں کوئی لعنت سیاسی غلامی سے بڑھ کر نہیں کیونکہ غیر ملکی حاکم اپنی اغراض کی خاطر بقول اقبالؒ ؎

بدل دیتے ہیں قوموں کا مزاج

یا بقول اکبر ؎

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں　　　مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اور ہمارے معاملے میں بھی یہی ہُوا کہ ہم مغربی نظامات سے (ہر چند کہ ان میں سے اکثر و بیشتر ہمارے اصل اخلاقی مزاج — نیز وسیع تر تمدنی تجربوں کی روشنی میں نامعقول بلکہ غیر اخلاقی ثابت ہو چکے ہیں مگر ہم ان سے اس درجہ مانوس ہو چکے ہیں کہ ان سے جدا ہو جانے کے خوف سے ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو اسلامی زندگی کے سرے سے مخالف ہیں، یہی لوگ آج افواہیں اڑا رہے ہیں۔ لہٰذا اسلامی زندگی کے علمبرداروں کو ہر بات حکمت سے کرنی چاہیئے۔

مروجہ نظامات کی جرح و تعدیل | میری ذاتی رائے میں نفاذِ شرع کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت رائج شدہ جملہ نظامات و ادارت کی عمارت کو یکسر ڈھا دیا جائے اور کوئی یکسر نئی عمارت سابقہ ملبے پر تعمیر ہو۔ یہ سراسر بد دیانتی سے پھیلایا ہوا خیال ہے۔

استفادے کی تحدید لازم | میری سوجھ بوجھ کے مطابق موجودہ زندگی کے اچھے اور بامعنی پہلو اپنی جملہ رعنائیوں اور دلکشیوں کے ساتھ موجود رہیں گے۔ صحیح عقیدتوں اور مخلصانہ عبادتوں کے ساتھ (جواب بھی موجود ہیں۔) دنیا کے تسلیم شدہ اور رائج نظامات کو جنہیں ہم پہلے بطور نقال، مقلد یا غلام، اندھا دھند اور غیر ناقدانہ انداز میں اپنائے ہوئے تھے اب ان کی تنقیدی نظر سے چھان پھٹک کر کے ان میں اپنے اخلاقی و معاشرتی اصول شامل کریں گے — اس سے زندگی پہلے سے زیادہ زیبا و رعنا اور با اصول و پاکیزہ ہو جائے گی۔ میں یہ بات اقتصادی تجارتی اور کاروباری نظامات کے بارے میں کہہ رہا ہوں ورنہ عقائد، عبادات، اخلاقیات اور اصولیات کے معاملے میں ہمیں دینِ خالص پر سختی کے ساتھ قائم رہنا ہوگا۔

مغربی تنظیمات سب بُری نہیں | غرض یہ کہ مغربی ادارت و نظامات کو یکسر ترک نہیں کیا جائے گا۔ نئی منصوبہ بندی میں ان کی تکنیکی اور تنظیمی و تعمیری تجربات سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔ مگر انسانی صحت معاشرتی انصاف اور خوشحالی کی خاطر مغربی ادارت کے ناپاک حصے کو نکال کر باہر پھینکنا لازم ہوگا۔ تاکہ معاشرہ بے ڈھنگا پن

اور بے اعتدالی کا شکار نہ ہو جائے، فرد یا جماعت کا استحصال نہ ہو سکے، اور حرص اور بے دردی و سنگدلی ختم ہو، اس کے علاوہ خدا کی دی ہوئی دولت میں ظالمانہ اسراف برائے شہوات، یہ وہ ناپاک چیزیں ہیں جن سے بچنا ہو گا۔ اس طرح اخلاقی تجاوزات کو جن سے معاشرہ بالآخر بیمار اور سقیم الحال ہو جاتا ہے ختم کرنا انسانیت کی خدمت ہے۔

نئے حالات کا جائزہ ضروری ہے۔ خدا کے فضل سے ہم جس شرع کو مانتے ہیں وہ کبھی اس طرح منقطع نہیں ہوئی کہ گویا آج ہمارے لئے یہ مسئلہ نئے دین کے اجرا یا قبول کا مسئلہ ہو البتہ غلامی و محکومی کی وجہ اسکے معاشرتی اور معاملاتی حصّوں میں کچھ خرابیاں باہر کی تہذیبوں کے توسط سے داخل ہو گئی ہیں۔ بس انہیں کو دور کرنا ہے۔ اور ان کی جگہ اپنے اخلاقی اصولوں کو موجودہ صورتِ حال کے ڈھانچے میں داخل کر کے نئی تشکیل کرنی ہے۔

شرع کا مسئلہ اور انتخابی سیاست دراصل شرع کا مسئلہ انتخابی سیاست سے متعلق نہیں اور یہ اس لئے بھی نہیں ہو گا کہ اس سے کون خوش ہوتا ہے اور کون ناخوش۔ بلکہ شرع کا کامل نفاذ ہمارے ملک کے بنیادی مطالبات میں شامل ہے، اسی وجہ سے قائدِ اعظمؒ نے بھی فرمایا تھا کہ ہم پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ اگر نہ بھی کہتے تب بھی ہمیں یہ کرنا ہی تھا۔ کیونکہ یہ خدا کا حکم ہے۔

مغربی نظامات کے مکروہ پہلو میں نے مغربی نظامات و ادارات کی جہاں تعریف کی ہے وہاں یہ تنبیہہ لازمی سمجھتا ہوں کہ سب نہیں تو ان میں سے بعض نظامات انسان کی عمومی فلاح، شفقت اور دردِ انسانی عدل و انصاف، مساوات و خیر جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار سے محروم ہیں ـــــ تو کیا ہم انہیں محض اس لئے مانتے جائیں کہ وہ یورپ کے آوردہ ہیں، انسان کی عمومی بہبود کے نقطۂ نظر سے ان میں چھان پھٹک کیا ضروری نہیں۔؟

مغرب کے اقتصادی نظامات سب سے پہلے مغرب کے اقتصادی نظامات کو لیجئے۔ اگر ان کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کا مرکز و محور سرمایہ داریؔ[1] کی وہ گھناؤنی شکل ہے جس کا

---

[1] عوام الناس سرمایہ داری کی اصطلاح سے عموماً ناواقف ہیں۔ سرمایہ داری عام دولت مندی کو نہیں کہتے۔ ہر مالدار آدمی سرمایہ دار نہیں ہوتا۔ سرمایہ داری اس نظامِ زر کا نام ہے جس میں کسی کارخانے یا تجارت میں روپیہ لگانے والا اپنے روپے کا منافع آمدنی بھی وصول کرتا ہے۔ اور اپنے اصل سرمائے کا سود در سود بھی وصول کرتا ہے۔ درحقیقت اسے دو مرتبہ اپنی رقم کا نفع وصول کرنے کا حق نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ کہ آمدنی میں جو حصّہ مزدور کا ہے وہ اسے کم ملتا ہے۔ اس کے مقابلے میں سرمایہ لگانے والے دگنی رقم نفع وصول کرتے کرتے سرمایہ دار بن جاتا ہے جو محنت کو خریدنے کی مکمل قوت رکھتا ہے۔ اور استحصال پہ مکمل طور پہ قادر ہو جاتا ہے۔ عام خوش حالی یا دولت مندی سرمایہ داری میں شامل نہیں۔ اگرچہ قرآنِ مجید میں محض دولت مندی میں بھی احتیاط کے آداب بتلائے ہیں اور مختلف وعیدیں بتائی ہیں۔ سرمایہ داری۔ دولت مندی سے آگے کی ایک مذموم منزل ہے۔

علمبردار اس وقت امریکہ ہے۔ اسی طرح اسکی ضد روسی، اشتراکی نظام بھی صرف ایک ٹوبے کی سرمایہ دارانہ اجارہ داری ہے۔ اس میں فرد سے محنت تو لی جاتی ہے۔ لیکن قومی دولت کی تقسیم (بلند بانگ دعوے کے باوجود) مساوی نہیں ہوتی۔ اب بنیادی بات یہ ہے کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نقشے کو پاکستانی زندگی سے ہٹا دینا ہوگا۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نقشے میں شرافت نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ اسی طرح اشتراکیت سے بھی خود کو بچانا ہوگا۔

سرمایہ داری کی قباحتیں پاکستان میں گذشتہ چھ سات برس میں سرمایہ داری کے موضوع پر اتنی بحث و گفتگو ہو چکی ہے۔ کہ اب ہمیں اس کے سخت ناپسندیدہ ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہاں قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس ناپسندیدہ نظام کی سب سے بڑی نحوست فضول خرچی اور عیش کوشی ہے۔ اس نظام کی عمارت سود پر کھڑی ہے۔ یہ بالکل تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید نے تجارت کی ترغیب دی ہے۔ اور سود کی سخت ممانعت کی ہے۔ ایسا کیوں کیا ہے۔؟ اس لئے کہ سود سے پوری قوم کی اخلاقی زندگی مجروح ہوتی ہے۔ اوّل خرابی یہ ہے کہ اس سے قرضِ حسنہ کی بے معاوضہ ہمدردی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس میں روپیہ دینے والے اور روپیہ لینے والے دونوں قسم کے افراد کو نقصان پہنچ سکتا ہے اگر سودی قرض لینے والا، بوجہ نامساعدت حالات اصل بھی ادا نہ کر سکے تو قرضہ دینے والے کا نقصان ہے، اور اگر قرض اور سود در سود کی رقم اتنی بڑھ جائے کہ ناقابلِ برداشت ہو جائے تو جائیداد کی قرقی یا قید لازم ہے۔ اس ماحول میں انسانی خیر خواہی اور شفقت کہاں باقی رہے گی۔؟

سود کے مہلک اثرات اگر سود کسی بنک سے متعلق ہے تو اس میں بڑی قباحت یہ ہے کہ جب بنک لوگوں کی امانتوں سے دوسروں کو قرضہ دینے لگتا ہے۔ تو یہ خیانت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ امانتوں کو بنک کی اپنی دولت کے طور پر استعمال کر کے سود در سود کے ذریعے خود تو سرمایہ دار بن جاتا ہے، لیکن امانت رکھنے والوں کو ان کی رقم کا کم سے کم نفع دیتا ہے۔ اوّل تو یہ امانت میں خیانت یا بے جا تصرف ہے۔ دوم بنک منافع کا بڑا حصہ (سود کی رقم کے بڑے حصے سمیت) خود ہڑپ کر جاتا ہے اور امانت رکھنے والے کو نہایت معمولی رقم پر ٹال کر استحصال کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو انسانیت پرور اخلاق کے منافی ہے۔

نظامِ شرع میں بنک رہیں گے۔ عام سود اور بنکاری کے مسئلے پر بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں مزید بحث کی گنجائش نہیں، البتہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ نفاذِ نظامِ شرع میں بنک موجود رہیں گے اور یہ خوف بے بنیاد ہے کہ لوگوں کا روپیہ ضائع ہو جائے گا۔ یا امانتیں رکھنے کی کوئی جگہ نہ

ہوگی، توقع یہ ہے کہ اگر قوم با اخلاق ہوئی تو بنک پہلے سے زیادہ مفید اور پاکیزہ کام کر سکیں گے۔ قرضِ حسنہ بنک قائم کئے جا سکتے ہیں لیکن اگر ہم اعلیٰ اخلاق اور خدا ترسی کی اتنی توقع فی الحال نہ بھی کریں تو بھی شراکت برائے تجارت کے ذریعے بنکوں میں روپیہ جمع کرانے والے اپنے حق کے مطابق نفع حاصل کرتے رہیں گے، مگر یہ سود نہ ہوگا، خالص منافع ہوگا۔ البتہ یہ لازم ہے کہ اس قسم کے شراکتی اداروں کے بنیادی اصول اعلیٰ اخلاقیات پر مبنی ہوں۔ جو انسانی محبت اور شفقت کے سے سے پیدا ہوتی ہے۔ تاہم اس کی عملی منصوبہ بندی خالص علمی اصولوں پر ہونی چاہیئے۔ تاکہ دنیا کے نظامِ بنکاری کے اندر اس لئے جرأت مندانہ اخلاقی سلسلۂ شراکت کی جڑیں اچھی طرح جست ہو جائیں۔ اس کے لئے اولوالعزمی اور مقاصدِ عالیہ کی تڑپ چاہیئے۔ اس کے لئے اقبالؒ کا شاہین ہی جرأت کر سکتا ہے۔ کرگس یہ کام نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں مردار خوری کی عادت ہو چکی ہے۔ اور جو مردار خوار بن چکے ہیں وہ اعلیٰ اخلاقی غایات کے مقابلے میں اپنی شکم پروری اور نفس نوازی مقدم سمجھتے ہیں۔

معاشی کرگس یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مشہور ماہرِ معاشیات ویبلن نے بے نکرا اور غیر مصروف طبقہ کہہ کر اپنے ایک معاشی تصور کو "غیر مصروف مفت خوروں کا نظریہ" کہا ہے۔ اس کے یہ فقرے قابلِ غور ہیں۔ اس نے کہا:

> "ان لوگوں کے ہاں کامیابی کی علامت یہ سمجھی جاتی ہے کہ بے تکلف کھلے ہاتھوں خرچ کیا جائے۔ یہ خرچ زندگی کی کسی بھی حقیقی ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ رُعب داب قائم رہے۔ مثلاً نہایت اعلیٰ قسم کی پوشاک پہننا جسے پہن کر ہاتھ سے کوئی کام نہ کیا جا سکے۔ بیویوں کو جواہرات سے مرصع رکھنا، نہایت لذیذ کھانے (یا کم ازکم پکوانے کیونکہ آہستہ آہستہ خود بے اشتہا ہو جاتے ہیں) یا دن رات بیکار مشاغل میں لگے رہنا جنہیں وہ تفریحات کہتے ہیں، یہی وہ نمایاں ضیاعِ دولت یا نمایاں ضیاعِ صَرف ہے۔ جس میں وہ لگے رہتے ہیں۔"

پاکستان کے دولت مند اس وقت پاکستان میں بھی یہی گروہ ہے جو معاشی تطہیر، سادہ زندگی، اور کاروباری پاکیزگی کا مخالف ہے۔ اور محنت ومشقت کی بجائے "مفت خوری" کے طریقوں کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔ اور سب سے زیادہ سود کی مخالفت بھی یہی گروہ کر رہا ہے، یہی گروہ عام لوگوں کو بھڑکاتا ہے کہ اگر سود نہ لوگے تو برباد ہو جاؤ گے۔ حالانکہ سود کی ممانعت، دولت کی طہارت، پاکیزہ کاروبار کے قیام اور ہمدردی انسان کی خاطر ہوئی ہے۔ بعض جاہل مکان کے کرائے کو سود کے برابر کہہ کر لوگوں کے دلوں میں شک ڈالتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ سود نام ہے اس زائد رقم کا جو قرضہ دینے والے اور لینے والے کے

درمیان ایک شرح کے مطابق طے ہو جاتی ہے۔ عام حالات میں بہ ضرورت مند انسان کی مجبوری کا استحصال ہوتا ہے جو بے دردی اور سنگدلی کا مظہر ہے۔ تجارت کے اصول پہ بنک میں رقم رکھ کر نفع تو حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن محنت کے بغیر، سود کی شکل میں زائد رقم لینا اصول کے خلاف ہے۔ اس طرح مفت خوری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ مکان کا کرایہ اس لئے سود نہیں کہ مکان کا مالک، کرایہ دار کی سہولت کے لئے ہر سال زائد رقم خرچ کرتا رہتا ہے۔ کرایہ پہ دیا ہوا مکان شکست و ریخت کی زد میں آتا رہتا ہے گویا کچھ عرصے کے بعد مکان کی اصل حالت یا مالیت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس سودی بنک میں رکھی ہوئی رقم جوں کی توں رہتی ہے۔ اور سود کی رقم اس کے علاوہ۔ اس لحاظ سے بنک اور مکان یا کرایہ کو برابر نہیں کہا جا سکتا۔

میں اس وقت اس معاشی مسئلے پہ کچھ زیادہ لکھ نہیں سکتا۔ نہ سود اور ربوٰ کی تعریف و تحدید کر سکتا ہوں۔ نہ عالمی تجارت و بنکاری اور اشتراکی طریق فراہمی زر وغیرہ پہ کھل کے بات کر سکتا ہوں۔ اگر موقع ملا تو ان موضوعات پہ آہستہ آہستہ کچھ نہ کچھ لکھتا رہوں گا۔ لہذا اس مسئلے کو چھوڑ کر میں دوسرے نظامات و اسالیب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

مغربی تنظیمات سے استفادہ اب تک میں اس بنیاد پر اظہار خیال کرتا آیا ہوں کہ زندگی کی شرعی تشکیل میں ہم مغربی نظامات و اسالیب کو یکسر مسترد نہیں کر دیں گے بلکہ سب نظامات کا اسلام کے عظیم اخلاقی اصولوں کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ ہم اس عمارت کو مسمار نہیں کریں گے۔ صرف اس کے کمزور حصوں کو اپنی اقدار کے مطابق درست کر دیں گے اور کچھ اضافہ بھی کریں گے۔ کسی اچھی پرانی عمارت کو اپنی ضرورتوں کے مطابق ڈھال لینا کوئی نئی بات نہیں، قطب الدین ایبک نے بھی تو ایک ہندوانہ عمارت کو اپنے انداز میں ڈھال لیا تھا، اور ایا صوفیہ اور مسجد قرطبہ تک میں ہم نے یہی عمل کیا تھا۔ آج اس عمل کو دہرا لینے میں کیا مضائقہ ہے۔؟ ہم تخریب پسند نہیں کہ اچھی اور صحت مند چیزوں کو یونہی برباد کرتے پھریں۔ ہم مغرب کے نظامات اسالیب کے ساتھ ناقدانہ سلوک کریں گے، ہم مغربی زندگی کے خوش نما اسالیب کو بھی لینے سے گریز نہیں کریں گے، ہماری سڑکیں اسطرح کشادہ اور خوبصورت ہوں گی۔ ان کے کنارے پہ پہلے سے بھی زیادہ دلکش اور بلند قامت درخت موجود ہوں گے، ہم محنت سے کام کر کے جو روپیہ کمائیں گے اس سے خوش حال مگر باوقار اور بااصول زندگی کا نقشہ جمائیں گے، ہمارے چہروں پہ نہ زہد بے مصرف کی خشکی ہوگی اور نہ اشتراکی خشونت ہوگی۔ ہم خدا کی وسیع زمین میں پھیلی ہوئی اور بکھری ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، کیونکہ خداوند کریم نے ان نعمتوں کی خود سفارش فرمائی ہے۔ لیکن ہم زمین پہ فساد نہیں پھیلائیں گے۔ نافرمانیاں نہیں کریں گے۔ جبر، تعدی، ظلم، استحصال، ناپاک نفس پرستی نہیں کریں گے۔ ہم صداقت حسن اور خیر کے عاشق ہوں گے۔ لیکن ہم اپنی بنیادی

قدروں کا بڑا خیال رکھیں گے۔

فرحت وراحت کے سلسلے اگرچہ ہم ادب کے چمن پہلے سے بھی زیادہ کھلائیں گے مگر اسے سفلی جذبات کی پرورش کا ذریعہ نہ بننے دیں گے۔ ہم پاکیزہ ادب پیدا کریں گے جو سچے انسانی جذبوں اور شرافتوں سے ابھرتا ہے۔ کیا اس شہر لاہور میں مسجدوں میں مشاعرے نہیں ہوئے۔؟ ہوتے رہے۔ محمد شاہی عہد کا تذکرہ نگار حاکم لاہوری (اپنے تذکرۂ مردم دیدہ میں) غلام علی آزاد (مصنف خزانۂ عامرہ) کے ورود لاہور کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مسجد وزیر خان لاہور کے ایک مشاعرے میں شریک دکھاتا ہے۔ اور وہ شئے جسے آجکل فن کہا جاتا ہے۔ اپنی خاص حدود و شرائط کے اندر موجود رہے گی۔ ہمارے تصورِ فن میں خوشخطی، تعمیر، باغ آرائی، طلاکاری آرائش کتب اور منبت کاری وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے مستقبل کے بارے میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو مغربی غلامی کی قیود سے آزاد ہو کر مستقل بنیادوں پر مزید ترقی کرے گا۔ البتہ رقص و سرود کی محفلوں کے انداز[1] ضرور بدل جائیں گے جن میں موسیقی سے زیادہ موسیقی والی مدِ نظر ہوتی ہے۔

نفاذِ شرع میں خواتین کا منصب پھر ایک ڈراؤنا خواب یہ بھی دکھایا جا رہا ہے کہ عورت ذات خارجی زندگی میں کہیں نظر نہ آئے گی۔ مگر ایسا واقعہ تو سخت سے سخت زمانوں میں بھی پیش نہیں آیا۔ دیہات بلکہ قصبات میں محنت سے آباد گھرانوں میں عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ باعفت طریقے سے ہمیشہ شریک کار رہیں اور اب تک ہیں۔ شہروں میں بھی پاکیزہ مشاغل میں مصروف خواتین کے لئے زندگی کی سب راہیں (تعلیم، موزوں ملازمت پاکیزہ تفریحات، سفر، حج، تعلیمی مجاہدات وغیرہ وغیرہ) اس طرح کشادہ ہیں جسطرح مردوں کے لئے ہیں۔ بشرطیکہ ان آزادیوں سے اخلاقی ڈسپلن نہ ٹوٹنے پائے۔ اگر مستقبل میں بندشوں کا کسی کو خوف ہے تو ان معزز حضرات و خواتین کو ہے، جنہیں ویبلن نے "غیر مصروف" اور فارغ گروہ قرار دیا ہے۔ جو مفت ہاتھ آئی ہوئی دولت کو خرچ کرنے کی دھن میں آرائش و نمائش کی نفسیات کے تحت، اپنا اور قوم کا (بالخصوص شوہروں کا) روپیہ اڑانے کی عادی ہو چکی ہیں —— ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گلشنِ عالم کے یہ پھول کیاریوں کے اندر ہی مرجھا کر ختم ہو جائیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ سیاسی مہم آرائی کی بات جدا ہے، مگر عورتیں اب بھی بے کار نہیں۔ وہ زندگی کی سب مہمات میں شریک ہیں۔ لیکن اپنے طریق سے کیا گھر کا نظم و نسق اتنا معمولی منصب ہے کہ اسے بیکاری کے مترادف قرار دیا جائے۔ شاید یہ خیال ویبلن کے بقول "غیر مصروف اور فکر فاقے سے آزاد" افراد کا پھیلایا ہوا ہے۔ یا ان سرمایہ داروں کا جن کے ہاں نوکروں کے غول در غول ہیں اور محترم خواتین کو وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یا ان معزز عورتوں کا جنہیں مالی مشکلات نہیں مگر وہ پھر بھی غیروں کی ملازمت کو اپنے بال بچے کی خدمت پر ترجیح دیتی ہیں۔ تو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہماری خواتین جو صدیوں سے گھروں کی منتظم ہیں، کبھی بیکار نہیں ہوئیں اور

---

[1] رقص و سرود کے انداز ہی نہیں بلکہ اسکی سب شکلیں اسلام میں ممنوع ہیں۔ (سمیع الحق)

قابلِ رشک عائلی خدمات انجام دیتی رہی ہیں اور دے رہی ہیں۔ البتہ معاشرتی نظام اور قومی انفرادیت کے تحفظ کے لئے مرد اور عورت دونوں کو کچھ قربانی کرنی ہی پڑتی ہے اور آئندہ بھی کرنی پڑے گی لہٰذا ہم جس چیز کو قید کہہ رہے ہیں وہ دراصل تحفظات ہیں اور فرد کی سہولت اور نظام کے فائدے کے لئے ہیں۔ پھر انہیں قید کیوں کہا جاتے۔ یہ سب کچھ مردوں کے شرف اور خواتین کے تحفظ اور احترام کی خاطر ہوتا ہے۔ بلاشبہ دورِ انحطاط میں بے ضرورت سخت گیری بھی ہوئی مگر سخت گیری ہمیشہ اس وقت ہوتی ہے جب لوگ قانون کی حدوں کے باغی ہو جاتے ہیں۔

فقہ اسلامی کی ماہیت اب تھوڑی سی بات فقہ اسلامی کی ہو جائے جس کا آجکل موافقانہ ومخالفانہ بہت پرچا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقہ "نفس انسانی کے شعورِ حقوق و واجبات کا نام ہے۔" —— (معرفۃ النفس مالہا وما علیہا۔) اور شرع اس عمل کا نام ہے جو حقوقِ خداوندی وحقوقِ نفس کے سلسلے میں انسان پر واجب ہیں۔ آسان الفاظ میں یوں سمجھئے کہ شرع ان احکام و ہدایات کا نام ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمائیے اور ان پر عمل کا حکم دیا۔ شرع اسلامی اور قانونِ اسلامی میں یہ فرق ہے کہ شرع عام ہے اور قانون خاص۔ شرعی حکم وہ ہے جو براہِ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے اور آنحضرتؐ کے فیصلوں کی روشنی میں ہمیں میسر ہوا۔

قانونِ اسلامی اگرچہ شرع سے مستنبط ہونے کی وجہ سے شرع کے اندر شامل ہے۔ مگر اس کے ایک خاص معنی بھی ہیں اور یہ وہ احکام ہیں جو فروعی صورتوں میں مسلم حکومتوں کیطرف سے نافذ ہوتے ہیں۔ لہٰذا شرع اور قانون میں امتیاز کرنا ضروری ہے —— عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ احکام و ہدایات کی اس منضبط شکل کا نام فقہ (شرع) ہے۔ جو دینی اور دنیوی دونوں امور پر محیط ہے۔ اس میں عقائد، عبادات اور معاملات شامل ہیں، اور پھر معاملات میں، عقوبات (سزائیں)، مناکحات (شادی بیاہ کے امور) اور مالیات و معاہدات اور بین الاقوامی مواثیق بھی شامل ہیں۔ بیع وشرا۔ ہبہ، امانت، ضمانت، ہنڈی، شرکت ومصالحت، قبضہ، اتلاف مال، حقوق، فصلِ خصومات بھی فقہ (شرع) میں شامل ہیں۔ شرع اس عمل کا نام ہے جو حقوقِ خداوندی وحقوقِ نفس کے سلسلے میں انسان پر واجب ہیں۔ شرع کے ان موضوعات میں سے ایک بڑا حصہ آج بھی زیرِ عمل ہے خصوصاً عبادات میں، نیز پرسنل لاء اور سماجی اخلاق اور آداب، پھر ایک حد تک بیع وشرا —— حق شفعہ، شہادت کے اصول، احکامِ وراثت وغیرہ —— ان پر کم وبیش عمل ہو رہا ہے، لہٰذا لوگوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ کہ شرع کوئی نئی اتفاقی یا حادثاتی صورت حال نہیں جو آج پہلی مرتبہ نافذ کرائی جا رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لوگ اس سے پہلے ہی مانوس ہیں۔ لہٰذا بات کے انداز کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات یوں ادا ہونی چاہئے کہ ہم شرع کے

پابند ہیں، لیکن بعض فراموش شدہ اجزاء پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ مثلاً

(الف) عقوبات اور فصلِ خصومات اور قواعد تجارت وغیرہ کے اس حصّے کو دوبارہ رائج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جن کو دورِ غلامی میں ہم نافذ کرانے کی پوزیشن میں نہ رہے تھے۔ یہ کام اب اسلامی حکومت کرے۔

(ب) ہم اس تصورِ زندگی کو زندہ کریں گے جس میں منفرد قسم کی وہ اخلاقیات ظہور میں آئی جو اسلام کے مدِ نظر تھا، اس کے تحت اس کا ماحول بھی بدلنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ اخلاقیات ہے جس کا مقصد، پاکیزگی، حُسنِ عمل اور جمالِ حیات کو فروغ دینا ہے، اور انسان کو انسان کے معاملے میں شفیق اور خوش اخلاق بنانا، یہ کام اپنے آزاد اداروں (تعلیم اور ذرائع نشر واشاعت) سے لینا ہوگا۔

چونکہ ہم کم وبیش دو صدیوں سے ذہنی غلام ہیں اس لئے اس غلامی سے نکلنے اور نکالنے کے لئے بھی بہت سا وقت درکار ہوگا۔ اس کے لئے ہمیں بڑے تحمل، بردباری، وسعتِ نظر اور کشادگی قلب سے کام لینا چاہیئے اور ان شکوک کو علمی طور سے بھی رفع کرنا چاہیئے جو قدرتی طور سے موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے حق میں ہمارے ذہنوں میں گھرے ہوئے ہیں، لیکن اس مہم کو فرض شناس لوگ ہی سر کر سکتے ہیں۔ تعصب، ضد اور سیاسی کشمکش کی اور بات ہے۔ مگر اس بات پر کامل اطمینان کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ اگر شرعی تشکیلِ حیات میں صحیح عقیدوں اور صحیح اخلاقی قدروں کو استعمال کیا گیا تو ہم موجودہ حالت سے زیادہ خوش حال اور زیادہ اونچے انسان بن سکیں گے۔

اگرچہ اس تنظیم کی کامیابی اس امر پر موقوف ہے کہ اسے چلانے والے اسے چلاتے کسطرح ہیں (سخت گیری ضد اور غیر مشفقانہ انداز میں یا بطریق محبت) تاہم شرع کی ان بنیادی مصلحتوں کو جو ہر حکم یا قاعدے یا ہدایت کے پیچھے موجود ہیں بیک وقت دیکھ لینے اور اپنے اندر جذب کرنے ہی سے، طبیعت میں یقین واطمینان کی وہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے جو آگے چل کر مکمل شرعی زندگی کے ہر عمل کو آسان بنا سکتی ہے۔

دورِ جدید کے مشہور عالم اور فقیہہ المحمصانی کے خلاصۂ مطالب کی رو سے شرع اسلامی مندرجہ ذیل انسانی مصالح اور حکمتوں کو مدِ نظر رکھتی ہے۔

(الف) مضرّتِ عامہ کا انسداد اور راحتوں میں اضافہ۔

(ب) فلاحِ عامہ کی توسیع۔

(ج) فرد کے حقوق اور عزّتِ نفس کی تکریم۔

(د) خدا کے انعامات سے جائز حدود کے اندر پورا پورا فائدہ اٹھانا مگر حرام اور ناجائز سے بالکل پرہیز کیونکہ معاشرے اور نفس کی صحت مندی کے لئے یہ احتیاط لازمی ہے۔

(ہ) عدل وانصاف کی روح کو قائم رکھنا۔

(ہ) ظلم و تعدّی اور استحصال کی ہر صورت کی مخالفت۔

(ز) تکلیف شرعی بقدر مقدرت انسانی۔

(ح) تدریج سے کام لینا۔

(ط) تعزیر اور دیگر عقوبات میں اصولاً جذبہ شفقت و دردمندی ہی کارفرما ہے نہ کہ انتقام اور غصہ۔

(ی) بڑے نقصان سے بچنے کے لئے خفیف نقصان کو برداشت کر لینا نتائج بد سے بچنے کے لئے، تھوڑی بہت قربانی کو گوارا کر لینا۔

شرع کی حکمت انصاف و عدل عامہ کا سب سے نمایاں اظہار قانون وراثت میں ہوتا ہے جس کی روح سراسر عدل و احسان ہے، مگر عقل و مصلحت کے ذریعے اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ (اس کی تفصیل بدران کی کتاب الشرکات والواریث میں دستیاب ہو سکتی ہے۔

شرع شرف کی محافظ قاہرہ یونیورسٹی کے استاد عبدالوہاب الخلاف نے علم اصول الفقہ میں لکھا ہے کہ شرع کی قدر وہی جان سکتا ہے جو شرف انسانی اور انسانیت کے مقاصد عالیہ میں گہرا اعتقاد رکھتا ہو۔ جس کے دل میں یہ اعتقاد نہ ہو گا اسے دلائل عقلی سے مرعوب تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے دل میں یقین پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص نفس کی راحتوں (شہوات) میں حیوانوں کی طرح ڈوب چکا ہو اسے شرع کی باتیں پسند نہیں آسکتیں، لہذا اس کے لئے دعا کرنی چاہیئے۔

بہرحال علامہ الخلاف کے نزدیک لوگوں کے مصالح، انکی ضروریات اور انکی حاجات اچھی طرح پوری ہوں اور تحسینیات کے نظام کے ذریعے زندگی پاکیزہ، باثروت اور بامعنی بن جائے، اس میں طہارت بدن و لباس اور آداب شامل ہیں۔

شرع کے بنیادی مصالح امور ضروری کی تشریح کرتے ہوئے پانچ چیزوں کے احترام، تحفظ اور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ۱۔ دین ۲۔ نفس انسانی ۳۔ عقل ۴۔ آبرو ۵۔ مال۔ ان کی بنیادی مصلحت حفظ وجود اور دفع ضرر ہے۔ اور یہ اصول بتاتا ہے کہ سہولت اور آسانی ہمیشہ مشقت کے بعد اور اس کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی دی ہوئی رخصتوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ فرائض کی مشقت کے نتیجے میں رخصت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حق اللہ اور حق العباد کے فرق کے ذریعے دنیوی عدالتوں کے اوپر ایک ماورائی عدالت کا تصور بھی موجود ہے۔

اطاعت کیلئے آمادگی اب سوال صرف یہ رہ گیا ہے کہ اطاعت شرع کے لئے آمادگی کسطرح پیدا کی جائے۔ اور ہمارے موجودہ مرعوب بلکہ مسخ شدہ اذہان کے پیش نظر اسکی پیش رفت کسطرح ہو۔

یہ سوال طویل جواب کا تقاضا کرتا ہے ۔ ـــــ موجودہ مضمون کے نقطۂ نظر سے صرف یہی کہا جا سکتا ہے ۔ کہ اس کے لئے شرطِ اوّل آمادگئ قلب ہے ۔ آمادگئ قلب پیدا کرنے کے لئے تربیت کے علمی اداروں کا قیام ضروری ہے جو محبت اور شفقت کے اصول پر دماغوں کو قائل اور دلوں کو مسخر کر سکیں ۔ پرانے زمانے میں علماء عقائداتی سرحدوں کی حفاظت کرتے تھے مگر حکما اور صوفیہ تربیت کا دماغی و عقلی اور روحانی و قلبی انتظام کرتے تھے ۔ اب بھی یہی ہونا چاہئے ۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم مغربی نظامات پر ایمان لائے ہوئے ہیں ۔ ہم پر کسی اعلان کا کوئی اثر نہیں رہا ۔ پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ تو کہتے ہیں ، لیکن عملاً ان عقیدوں اور تجربوں سے گریزاں ہیں جو تجربگاہ کے لئے ضروری ہیں ۔ اس صورت میں بحث و گفتگو کا کچھ فائدہ نظر نہیں آتا ۔ لیکن اگر کسی کو شہر روما میں جا کر رومنوں کی طرح رہنا ضروری ہے تو یہاں بھی کہ مسلم اکثریت کا ملک ہے ۔ نقطۂ نظر کو بدل لینے کی ضرورت واضح ہے ،

بہر حال وہ لوگ جو تبدیلئ قلب کا حوصلہ رکھتے ہیں یا وہ لوگ جو شرعی زندگی کے معاملے میں پرجوش ہیں انہیں یہ سارے کام تدریج اور شفقت سے کرنے ہوں گے ـــــ تدریج اور شفقت کے دو اصول اس مہم کے لازمی اصول ہیں ۔

نمبر ۹۷۱ مورخہ 18.5.78

اعلان ضبطی جائیداد

ٹیکس ریکوری آفیسر آفس

39/c سرکلر روڈ ۔ یونیورسٹی ٹاؤن پشاور

آرڈر :۔ تمام متعلقہ لوگوں کیلئے اطلاع ہے کہ ملک عبدالقدیر خان کی زیر آب زمین جس کی پیمائش 800 کنال ہے اور جو موضع بہاڑی پورہ تحصیل پشاور میں واقع ہے زیر دستخطی نے آج زیر دفعہ ۳۸ ۔ انکم ٹیکس ریکوری رولز ۱۹۲۹ء کے تحت قرق کر لی ہے قرقی کے احکامات برائے غیر منقولہ جائیداد آج دستخط کئے گئے اور متعلقہ اتھارٹیز کو تقسیم کئے گئے اور ایک نقل حکم قرقی اس دفتر میں بھی موجود ہے ۔ لہذا ملک عبدالقدیر خان کا اس زمین سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور کوئی شخص اگر اس بارے میں لین دین کرے گا تو اس کی اپنی ذمہ داری ہوگی ۔

دستخط محمد جہانگیر خاں
ٹیکس ریکوری آفسر
پشاور

INF (P) / 1000